آغازِ قصّہ

ایک بیوقوف لڑکی کا بیاہ ہوگیا تھا۔ اُس نے اپنی بیوقوفی سے سسرال میں برس دو برس بھی نباہ نہ کیا، بیاہ کے چوتھے یا پانچویں ہی مہینے میاں پر تقاضا کرنا شروع کیا کہ تمھاری ماں بہنوں میں ہمارا گزارا نہیں ہوتا ہم کو الگ مکان لے دو۔ میاں نے کہا کہ تمھارے جتنے جھگڑے اپنی ماں بہنوں کے ساتھ میں سنتا رہا ہوں ان سب میں تمھاری ہی خطا ہے۔ محلّے میں جو آدمی بازاری طور کے رہتے ہیں تم نے انھیں کی لڑکیوں کو بہن بنا رکھا ہے۔ رات دن بھوندو بھٹیارے کی بیٹی چنپا اور بخشو قلعی گر کی بیٹی زلفن، کمّو سقّے کی بیٹی رحمت۔ مولن کنجڑے کی بیٹی سلمتی، تمھارے پاس گھسی رہا کرتی ہیں اور تم کو اس بات کا کچھ خیال نہیں کہ یہ لوگ نہ ہماری برادری ہیں نہ بھائی بند نہ ان سے ہماری ملاقات نہ راہ و رسم نہ محبت تمام محلے میں چرچا ہو رہا ہے کہ کیسی بہو آئی ہے؛ جب دیکھو ایسی ہی لڑکیاں اُس کے پاس بیٹھی ملتی ہیں۔ آخر محلے میں قاضی شریف حسین حکیم شفاء الدولہ، منشی ممتاز احمد، مولوی روح اللہ، میر حسن رضا، یہ

لوگ بھی تو رہتے ہیں اور ان کی بہو بیٹیاں ہمارے گھر میں آتی جاتی ہیں۔ تم کسی سے بات بھی نہیں کرتیں۔ اگر والدہ صاحبہ نے تم کو ذلیل اور بےعزت لوگوں کی لڑکیوں سے ملنے کو منع کیا تو کیا بیجا کیا؟

اُس بیوقوف بی بی نے جواب دیا کہ محبّت ملاپ دل کے ملنے پر موقوف ہے۔ ہماری ماں کے ہمسایہ میں ایک باسونھیار رہتا تھا۔ بنّو اس کی بیٹی ہماری سہیلی تھی۔ جب ہم چھوٹے سے تھے اُس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ دو گڑیوں کا بیاہ بھی ہم نے بنّو کے ساتھ کیا تھا۔ بنّو بیچاری ہماری غریب تھی، ہم اپنی امّاں سے چُرا کر بہت چیزیں اس کو دیا کرتے تھے۔ امّاں نے ہرچند منع کیا مگر ہم نے بنّو کا ملنا نہ چھوڑا۔

میاں نے کہا۔ "تم نے بہت جھک مارا۔"

یہ سن کر وہ احمق عورت میاں سے بولی "دیکھو! خدا کی قسم میں نے کہہ دیا ہے، مجھ سے زبان سنبھال کر بولا کرو، نہیں تو پیٹ پیٹ کر اپنا خون کر ڈالوں گی۔"

یہ کہہ کر رونے لگی اور اپنے ماں باپ کو کوسنا شروع کیا۔

"الٰہی اس امّاں باوا کا بُرا ہو کیسی کمبختی میں ڈھکیل دیا، مجھ کو اکیلا پا کر سب نے ستانا شروع کیا ہے الٰہی میں مر جاؤں میرا جنازہ نکلے" اور غصّے کے مارے پان کھانے کی پٹاری جو چارپائی

پر رکھی تھی لات مار کر گرادی ۔ تمام کتھا چونا توشک پر گرا ۔ اونی دریس کا لحاف پائنتی تہ کیا ہوا رکھا تھا ۔ چونے کے لگتے ہی اس کا تمام رنگ کٹ گیا ۔ پٹاری کے گرنے کا غل سُن کر سامنے کے دالان سے ساس دوڑی آئیں ، ماں کو آتے دیکھ بیٹا تو دوسرے دروازہ سے چلدیا لیکن اپنے دل میں کہتا تھا " ناحق میں نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑا ۔ ساس نے آکر دیکھا تو چار پیسے کا کتھا جو کل چھان پھاکر کلھیا میں بھر دیا تھا ، سب گرا پڑا ہے ۔ توشک کتھے میں لت پت ہے لحاف چونے میں تربتر ، بہو زار قطار رو رہی ہیں ۔ آتے ہی ساس نے بہو کو گلے سے لگا لیا اور اپنے بیٹے کو ناحق بہت کچھ بُرا بھلا کہا اتنی دلجوئی کا سہارا اور گھتے کو ٹھیلنے کا بہانا ہوا ۔ ہر چند ساس نے منت کی اور سمجھایا اُس مکار عورت پر مطلق اثر نہ ہوا ہمسایہ کی عورتیں رونے پیٹنے کی آواز سُن کر جمع ہوگئیں ۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بخشو قلعی گر کی بیٹی زلفن سمدھیانے دوڑی گئی ، اور ایک ایک کی چار چار لگائیں ۔ ان کی ماں بھی خدا کے فضل سے بڑی تیز تھیں ۔ سُنتے کے ساتھ ڈولی پر چڑھ آپہنچیں ۔ بہت کچھ لڑیں جھگڑیں آخر بیٹی کو ساتھ لے گئیں ۔

کئی مہینے تک دونوں طرف سے آمد و رفت سلام و پیام متروک رہا تاکہ قصہ اچھی طرح سمجھ میں آئے ، تم کو نام بھی اُن لوگوں کے بتادینے

ضرور ہیں ۔

اکبری خانم اس بیوقوف اور مکار عورت کا نام تھا اور سُسرال سے اس کو مزاج دار بہو کا خطاب ملا تھا ۔ یہ اکبری بیوقوف بے ہنر بدمزاج تھی لیکن اس کی چھوٹی بہن **اصغری خانم** بہت عقلمند اور فہمیدہ اور نیک مزاج تھی چھوٹی سی عمر میں اس نے قرآن شریف کا ترجمہ اور مسائل کی اُردو کتابیں پڑھ لی تھیں ۔ لکھنے میں بھی عاجز نہ تھی ۔ گھر کا حال اپنے باپ کو ہفتے کے ہفتے لکھ بھیجا کرتی ۔ ہر ایک طرح کا کپڑا سی سکتی تھی اور انواع و اقسام کے مزہ دار کھانے پکانا جانتی تھی ۔ تمام محلے میں اصغری خانم کی تعریف تھی ماں کے تمام گھر کا بندوبست اصغری خانم کے ہاتھوں میں رہتا تھا ۔ جب کبھی باپ رخصت لے کر گھر آتا ۔ خانہ داری کے انتظام میں اصغری سے صلاح پوچھتا روپیہ پیسہ کوٹھری اور صندوقوں کی کنجیاں سب کچھ اصغری کے اختیار میں رہا کرتا تھا ۔ ماں باپ دونوں جان و دل سے اصغری کو چاہتے تھے بلکہ محلے کے سب لوگ اصغری کو پیار کرتے تھے مگر اکبری خود بخود اپنی چھوٹی بہن سے ناراض رہا کرتی بلکہ اکیلا پاکر مار بھی لیا کرتی تھی لیکن اصغری ہمیشہ آپا کا ادب کرتی اور کبھی ماں سے اس کی چغلی نہ کھاتی ۔ دونوں بہنوں کی منگنی بھی اتفاق سے ایک ہی گھر میں ہوئی ۔

محمد عاقل اور محمد کامل دو بھائی حقیقی تھے اکبری کا بیاہ بڑے بھائی محمد عاقل سے ہوا تھا اور اصغری کی بات محمد کامل سے ٹھہر چکی تھی مگر بیاہ نہیں ہوا تھا اکبری کی بدمزاجی کے سبب قریب تھا کہ اصغری کی منگنی بھی چھوٹ جائے لیکن ان لڑکیوں کی خالہ جو محمد عاقل کے گھر کے پاس رہتی تھی۔ ہمیشہ اصلاح کیا کرتی تھی اور اگرچہ اکبری لڑ کر چلی گئی تھی لیکن خالہ نے بہت کچھ لعنت ملامت کی اور پس و پیش سمجھایا۔ آخر کار کئی مہینے بعد رمضان کی تقریب سے بھانجی کو سسرال لوا لائی۔ چند روز تک محمد عاقل مزاج دار بہو سے ناخوش رہا۔ آخر کو خلیا ساس نے میاں بی بی کا ملاپ کرا دیا لیکن جب مزاجوں میں ناموافقت ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں بگاڑ کا سامان موجود ہوتا ہے۔

محمد عاقل نے ایک دن اپنی ماں سے کہا کہ آج میں نے ایک دوست کی دعوت کی ہے۔ افطاری اور کھانے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیئے۔ ماں نے جواب دیا، خدا جانے کس مصیبت سے میں روٹی بھی پکا لیتی ہوں۔ تین دن سے افطار کے وقت مجھ کو لرزہ چڑھتا ہے۔ مجھ کو اپنی خبر تک نہیں رہتی خدا ہمسائی کا بھلا کرے کہ وہ اتنا بھی پکا دیتی ہے۔ تم نے دعوت سے پہلے گھر میں پوچھ تو لیا ہوتا محمد عاقل نے تعجب کی راہ سے بی بی کی طرف اشارہ کر کے

کہا کہ یہ اتنے کام کی بھی نہیں ہیں، بہو کو اتنا ضبط کہاں تھا کہ اتنی بات سن کر چپ رہے سنتے ہی بولی "اسی بوڑھی اماں سے پوچھو کہ بیٹے کا بیاہ کیا ہے یا لونڈی مول لی ہے۔ لو صاحب! روزے میں چولھا جھونکنا"۔

محمد عاقل نے سوچا "اب اگر میں کچھ رد و کد کرتا ہوں پہلے کی طرح رسوائی ہوگی" اپنا سا منھ لے کر رہ گیا اور افطار کے واسطے کچھ بازارے مول لے آیا۔ غرض وہ بات ٹل گئی۔

اب محمد عاقل کو دوسری آفت پیش آئی، یعنی عید، بیچارے نے ایک ہفتہ آگے سے مزاج دار بہو صاحب کے جوڑے کی تیاری شروع کی۔ ہر روز طرح طرح کے کپڑے رنگ برنگ کی چوڑیاں، ڈیڑھ حاشیے اور سلمے ستارے کی کامدار جوتیاں لاتا تھا۔ مزاج دار کی خاطر میں کچھ نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ عید کا ایک دن باقی رہ گیا۔ مجبور ہو کر اکبری خانم کی خالہ کے پاس گیا۔ انھوں نے آواز سن کر اندر بلا لیا بلائیں لیں۔ پیار سے بٹھایا۔ پان بنا کر دیا اور پوچھا کہو! "اکبری تو اچھی ہے؟"

محمد عاقل نے کہا "صاحب آپ کی بھانجی تو عجب مزاج کی عورت ہے۔ میرا تو دم ناک میں آگیا ہے۔ جو ادا ہے سو نرالی ہے اور جو بات ہے سو ٹیڑھی"۔

CH. 2

خلیا ساس نے کہا: "بیٹا! اس کا کچھ خیال مت کرو۔ ابھی کم عمر ہے، بال بچے ہوں گے، گھر کا بوجھ پڑے گا۔ مزاج خود بخود درست ہو جائے گا اور آخر اچھے لوگ بُروں سے بھی نباہ دیتے ہیں۔" "بیٹا! تم کو خدا نے سب طرح لائق کیا ہے۔ ایسی بات نہ ہو کہ لوگ ہنسیں، آخر تمھاری ناموسی ہے۔"

محمد عاقل نے کہا: "جناب! میں تو خود اسی خیال سے درگزر کرتا رہتا ہوں، اب دیکھئے کل عید ہے۔ اس وقت تک نہ چوڑیاں پہنی ہیں، نہ کپڑے بنائے ہیں۔ ذرا آپ چل کر سمجھا دیجئے۔ میں نے بہت کچھ کہا۔ اماں نے بہت منتیں کیں، نہیں مانتیں۔"

خلیا ساس نے کہا: "اچھا تمھارے خالو ابا نماز پڑھنے مسجد میں گئے ہیں۔ وہ آلیں تو اُن سے پوچھ کر میں چلتی ہوں۔"

غرض خالہ اماں نے جا کر چوڑیاں پہنائیں کپڑے قطع کئے جلدی کے واسطے سب مل کر سینے بیٹھیں۔

خالہ نے کہا: "بیٹی! پائجامے میں کلیاں تو تم لگاؤ۔ گوٹ تمھاری ساس کتریں۔ میں اتنے میں تمھارے دوپٹے میں توئی ٹانکتی ہوں۔"

جب اکبری کلیاں لگا چکی تو اُس نے اِترا کر خالہ سے کہا۔ "لو بی! تم کو ابھی دو پلّے باقی ہیں اور میں دونوں پائچوں میں کلیاں لگا بھی چکی۔"

خالہ نے دیکھا تو سب کلیاں الٹی۔ اکبری کی ساس کے لحاظ سے مُنہ پر تو کچھ نہ کہا لیکن چپکے چپکے دو چار چٹکیاں ایسی لیں کہ اکبری کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اشارے سے کہا کہ "اے نامراد سوجھ تو! الٹی کلیاں لگا بیٹھی۔"

اکبری نے اپنا سیا ہوا سب ادھیڑا اور پھر کلیاں لگانی شروع کیں۔ جب لگا چکی، خالہ نے دیکھا تو سب میں جھول۔ اب تو خالہ سے نہ رہا گیا اور اکبری کی ساس کی آنکھ بچا ایک سوئی اکبری کے ہاتھ میں چبھو دی اور کلیاں پھر ادھیڑ کر آپ لگائیں۔

غرض خدا خدا کر کے مزاج دار بہو کا جوڑا سل سلا کر تیار ہوا۔ رات زیادہ گئی تھی۔ اکبری کی خالہ اپنے گھر کو رخصت ہوئیں۔ یہ سب لوگ بھی سو سلا رہے۔

بچے عید کی خوشی میں سویرے سے جاگے۔ کسی نے رات کی مہندی کھولی کسی نے کھلی اور بیس کیلئے غل مچایا۔ کسی نے اٹھتے کے ساتھ عیدی مانگنی شروع کی۔ محمد عاقل بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر حمام میں غسل کرنے چلا گیا۔ نہا دھو کر چار گھڑی دن چڑھے واپس آیا۔ لڑکوں کو دیکھا کہ کپڑے بدل بدلا کر عید گاہ کے واسطے تیار بیٹھے ہیں لیکن مزاج دار بہو صاحب حسب عادت سو رہی ہیں۔

محمد عاقل نے اپنی چھوٹی بہن محمودہ سے کہا: "محمودہ جاؤ اپنی بھابی

کو جگا دو۔"

پہلے تو محمودہ نے تامل کیا اس واسطے کہ یہ مزاج دار بہو سے بہت ڈرتی تھی۔ جب سے بیاہ ہوا۔ مزاج دار نے ایک دن بھی اپنی چھوٹی نند کے ساتھ محبت سے بات نہیں کی تھی اور نہ کبھی اس کو اپنے پاس آنے اور بیٹھنے دیا تھا۔ لیکن بھائی کے کہنے سے عید کی خوشی میں محمودہ دوڑی چلی گئی اور کہا "بھابی اٹھو۔"

بھابی نے اٹھتے کے ساتھ محمودہ کے ایک طمانچہ صحیح کیا۔

محمودہ رونے لگی۔ باہر سے بھائی آواز سُن کر دوڑا۔ اُس کو روتا دیکھ کر دیں اُٹھا لیا اور پوچھا "کیا ہوا"؟

محمودہ نے روتے روتے کہا "بھابی جان نے مارا۔"

مزاج دار نے کہا "دیکھو جھوٹی نامراد آپ تو دوڑتے میں گری اور میرا نام لگاتی ہے۔"

محمد عاقل کو غصہ تو آیا لیکن مصلحتِ وقت سمجھ کر ضبط کیا۔ محمودہ پیار چمکار کر چُپ کیا اور بی بی سے کہا "خیر اٹھو نہاؤ۔ کپڑے بدلو۔ دن زیادہ چڑھ گیا۔" میں عیدگاہ جاتا ہوں۔

مزاج دار نے ناک بھوں سکیڑ کر کہا "میں تو ایسے سویرے نہیں نہاتی۔ ٹھنڈ کا وقت ہے۔ تم اپنے عیدگاہ جاؤ۔ میں نے کیا منع کیا ہے۔"

محمد عاقل کو ایسے روکھی بات سُن کر بہت رنج ہوا اور مزاج دار

سدا کی ایسی کمبخت تھی کہ ہمیشہ اپنے میاں کو ناخوش رکھتی تھی۔ اتنے میں محمد عاقل کو ماں نے پکارا کہ "بیٹا جاؤ بازار سے دودھ لا دو تو خیر سے عیدگاہ کو سدھارو۔"

محمد عاقل نے کہا "بہت خوب، پیسے دیجئے میں دودھ لائے دیتا ہوں لیکن اگر میرے واپس آنے تک اُنھوں نے کپڑے نہ بدلے تو سب کپڑے چولھے میں رکھ دوں گا۔"

محمد عاقل تو دودھ لینے بازار گیا۔ ماں کو معلوم تھا کہ لڑکے کا مزاج بہت برہم ہے اور طبیعت بھی اس کی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اوّل تو اُس کو غصہ نہیں آتا اور جو کبھی آجاتا ہے تو عقل اُس کی ٹھکانے نہیں رہتی۔ ایسا نہ ہو سچ مچ نئے کپڑے جلا دے۔ جلدی سے بہو کے پاس گئیں اور کہا "بیٹی! خدا کے لئے برس برس کے دن تو بدشگونی مت کرو۔ اٹھو۔ نہاؤ۔ کپڑے بدلو۔"

مزاج دار نے کہا "نہیں بی، میں تو اس وقت نہیں نہاتی، ٹھہر کر نہالوں گی۔"

بارے ساس نے منّت سماجت کر کے بہو کو نہلا دُھلا کر کنگھی چوٹی کر، کپڑے پہنا، محمد عاقل کے آنے سے پہلے دُلھن بنا کر بٹھا دیا محمد عاقل یہ دیکھ کر خوش ہوا۔ عیدگاہ چلتے ہوئے محمودہ سے پوچھا کہو، بی! "تمھارے واسطے بازار سے کونسا کھلونا لائیں"؟

محمودہ نے کہا "اچھی خوبصورت سی رحل لا دینا۔ اُس پر ہم اپنا سیپارہ رکھیں گے اور قلم دوات رکھنے کے لیے ایک ننھی سی صندوقچی"۔

مزاج دار خود بخود بولی "اور ہمارے لئے"؟

محمد عاقل نے کہا "جو تم فرمائش کرو۔ لیتا آؤں"۔

مزاج دار نے کہا "بھٹے اور سنگھاڑے اور جھڑبیری کے بیر اور مٹر کی پھلیاں اور بہت ساری نارنگیاں۔ ایک ڈفلی۔ ایک خنجری"۔

یہ سنکر محمد عاقل ہنسنے لگا اور کہا "ڈفلی اور خنجری کیا کرو گی"؟

مزاج دار احمق نے جواب دیا "بجائیں گے اور کیا کریں گے"؟

محمد عاقل سمجھا کہ ابھی تک اس بیوقوف میں بے تمیز بچوں کی طرح کھانے اور کھیلنے کے پست خیالات موجود ہیں۔ کپڑے بدلنے سے جو خوشی محمد عاقل کو ہوئی تھی وہ سب خاک میں مل گئی۔ اور اُسی افسردہ دلی کی حالت میں عیدگاہ چلا گیا۔

اس کا جانا اور مزاج دار نے ایک اور نئی بات کی۔ ساس سے کہا "ہم کو ڈولی منگا دو ہم اپنی ماں کے گھر جائیں گے"۔

ساس نے کہا "بھلا جانے کا یہ کیا موقع ہے؟ چار مہینے بعد تو تم ماں کے گھر سے اب آٹھ دن ہوئے کہ آئی ہو۔ عین عید کے دن جانا بالکل نامناسب ہے"۔

مزاج دار نے کہا "آج میرا جی بہت گھبراتا ہے، دل اُلٹا چلا آتا ہے،

مجھ کو اپنے میکے کی سہیلی، باسو منہیار کی بیٹی بنّو بہت یاد آتی ہے"۔

ساس نے کہا "بیٹی! نوج کسی کو کسی سے ایسا عشق ہو جیسا تم کو بنّو کا ہے؟ اگر ایسا ہی دل چاہتا ہے تو اُسی کو بلا بھیجو"۔

مزاج دار نے کہا "واہ بڑی بچاری بلانے والیں۔ ایسا ہی بلانا تھا تو کل اس کو بلوا کر چوڑیاں پہنوائی ہوتیں"۔

ساس نے کہا "بھلا بیٹی مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یکایک تم کو اُس کی یاد گدگدائے گی"۔

مزاج دار نے کہا "خیر بی، اس بحث سے کیا فائدہ؟ ڈولی منگوانی ہے تو منگوا دو، نہیں تو میں بُوا سلمتی کے ابا سے منگوا بھیجوں

ساس نے کہا "لڑکی کوئی تیری عقل ماری گئی ہے؟ میاں سے پوچھا نہیں، گچھا نہیں، آپ ہی آپ چلیں اور مجھ کو تو اپنا بڈھا چونڈا نہیں منڈوانا ہے جو لڑکے کی بے اجازت ڈولی منگوا دوں"۔

مزاج دار بولی "کیسے میاں اور کیسا پوچھنا۔ اب کوئی اپنے ماں باپ سے عید بقرعید کو بھی نہ ملا کرے؟

اتنا کہہ کر مولن کنجڑن سے ڈولی منگوا یہ جا وہ جا۔

تھوڑی دیر بعد محمد عاقل عیدگاہ سے لوٹا۔ گھر میں گھستے ہی پکارا۔ "لو بی! اپنی خنجری اور ڈفلی لو بجاؤ"۔ دیکھا تو سب چپ ہیں۔

ماں سے پوچھا "کیا ہوا۔ خیر تو ہے"؟

محمودہ نے کہا " بھابی جان چلی گئیں۔

محمد عاقل نے حیران ہو کر پوچھا " آئیں! کیونکر گئیں؟ کہاں گئیں؟ کیوں جانے دیا"؟

ماں نے جواب دیا۔ بیٹھے بٹھائے یکایک کہنے لگیں۔ " میں تو اپنی ماں کے یہاں جاؤں گی"۔ میں نے ہر چند منع کیا۔ ایک نہ مانی مولن سے ڈولی منگوکر چلی گئیں۔ میں روکتی کی روکتی رہ گئی۔

محمد عاقل یہ سُن کر غصّے کے مارے تھرّا اٹھا اور چاہا کہ سسرال جاکر ابھی اُس نابکار عورت کو سزا دے۔ یہ سوچ کر باہر کو چلا۔ ماں سمجھ گئی، جاتے کو ماں نے پکارا۔ اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔

ماں نے کہا۔ شاباش بیٹا شاباش! میں تم کو پکار رہی ہوں، اور تم سنتے ہو، جواب نہیں دیتے۔ تیرھویں صدی میں ماؤں کا یہی وقار رہ گیا ہے؟

یہ سنتے ہی محمد عاقل الٹے پاؤں پھرا۔

ماں نے کہا، بیٹا! تو یہ بتا " اس دھوپ میں کہاں جاتا ہے؟ ابھی عید گاہ سے آیا ہے۔ اب پھر باہر چلا۔ اماں صدقہ کی بھی ماندہ ہو جائے گا"۔

محمد عاقل نے کہا۔ بی! میں کہیں نہیں جاتا مسجد میں حافظ جی سے ملنے جاتا ہوں۔

ماں نے کہا۔ اے لڑکے ہوش میں آ۔ میں نے دھوپ میں اپنا چونڈا نہیں سفید کیا ہے۔ لو صاحب، ہمیں سے باتیں بنانے چلا ہے حافظ جی کے پاس جاتا ہے تو انگرکھا اور دوپٹہ اُتار کر رکھ جا۔ اور شوق سے مسجد میں بیٹھ۔

یہ سُن کر محمد عاقل مسکرانے لگا۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اُس کے سر کی طرف دیکھ کر بولی کہ عید گاہ کے آنے جانے میں تمہارے بال تمام گرد آلود ہو گئے ہیں۔ ذرا تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ تو میں صاف کر دوں۔

محمد عاقل ماں کے کہنے سے ذرا لیٹ گیا۔ محمودہ بھائی کو لیٹا دیکھ پنکھا جھلنے لگی۔ کچھ عید گاہ کے آنے جانے کی تکان اُدھر پنکھے کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور ماں نے جو دست شفقت سر پر پھیرا تو سب سے زیادہ اس کی راحت ہوئی۔ غرض محمد عاقل سو گیا۔ جاگا تو دن ڈھل چکا تھا اور وہ غصہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔

ماں نے کہا۔ لو، ہاتھ منھ دُھو، وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھو۔ وقت تنگ ہے، پھر آؤ تو تم کو کام بتائیں۔

نماز پڑھ پڑھا کر محمد عاقل آیا تو ماں نے کہا۔ لو، اب سسرال جاؤ اور تجھے میری ہی جان کی قسم ہے جو تو وہاں کچھ لڑائی بولا۔

محمد عاقل نے کہا۔ تو مجھ کو مت بھیجو۔

CH. 3

ماں نے کہا۔ لڑکے خیر منا! آپی کیسی بُری زبان ہے سُسرال تو تیری اور بھیجوں کس کو؟ لو یہ ایک روپیہ تو اپنی سالی اصغری کے ہاتھ میں عیدی کا دینا اور یہ ایک اٹھنّی اپنی خلیا ساس کے بیٹے میاں مسلم کو اور آدھے کھلونے بھی لیتے جاؤ۔ ایک خوان میں سوّیاں اور دُودھ اور مٹھائی کی ٹوکری بھی ماما عظمت کے ہاتھ اپنے ساتھ لوائے جاؤ۔ دیکھو خبردار کچھ بولنا چالنا مت۔

محمّد عاقل نے کہا، اور اماں خنجری اور ڈفلی بھی لیتا جاؤں؟

ماں نے کہا۔ بس کہیں ایسی بات وہاں مت بول اٹھنا۔

عرض محمّد عاقل ساس کے گھر پہنچے۔ گھر میں اکبری خانم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اُدھم مچا رہی تھی اور باہر گلی میں تمام غل کی آواز چلی آتی تھی ماما عظمت اندر گئی۔ اصغری نے ماما کو دُور سے دیکھ کر دبی آواز سے کہا "اے بی آپا! اے بی آپا!! چپ کرو۔ تمھاری سُسرال سے ماما آئی ہے"

عظمت نے اندر پہنچکر محمد عاقل کو بُلایا۔ "صاحبزادے آیئے"

غرض محمّد عاقل اندر گئے۔ ساس کو سلام کیا۔

اُنھوں نے کہا۔ جیتے رہو۔ عمر دراز۔

اتنے میں اصغری بھی اپنی اوڑھنی سنبھال سنبھول کوٹھری سے نکلیں اور نہایت ادب سے جھک کر بہنوئی کو سلام کیا۔ اصغری کو بہنوئی نے گود میں بٹھا لیا اور روپیہ دیا۔ اصغری اپنی ماں کی طرف

دیکھنے لگی۔

ماں نے کہا "لیلو" بہنوئی عیدی دیتا ہے۔

اصغری نے روپیہ لیکر پھر سلام کیا اور گود سے اُتر ادب سے الگ ہو بیٹھی۔ پھر اٹھ کر نہایت سلیقے کے ساتھ اُجلا دسترخوان بہنوئی کے آگے لا بچھایا اور ایک رکابی میں سوّیاں ایک پیالے میں دودھ۔ تشتری میں قند۔ ایک چمچہ لاکر سامنے رکھ دیا۔

ساس نے کہا "بیٹا! کھاؤ"

محمّد عاقل نے عذر کیا کہ مجھ کو عیدگاہ میں زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں نے کھانا کھایا ہے۔

ساس نے کہا۔ کیا مضائقہ ہے۔ سوّیاں تو پانی ہوتی ہیں۔ کھاؤ بھی۔

جب تک محمّد عاقل سوّیاں کھاتا رہا اصغری الائچی ڈال ایک مزہ دار پان بنا لائی۔ کھانے کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

تھوڑی دیر بعد محمّد عاقل نے کہا۔ جناب میں رخصت ہوتا ہوں۔

ساس نے کہا اب کہاں جاؤ گے یہیں سو رہنا۔

محمّد عاقل نے کہا۔ آج عید کا دن ہے۔ آئے گئے سے ملنا ہے۔ دوسرے کہیں کچھ بھیجنا بھجوانا۔ اور میں اماں سے رات کے واسطے کہہ کر بھی نہیں آیا۔

ساس نے کہا ملنے ملانے کا تو اب وقت نہیں رہا۔ شام ہونے

آئی اور بھیجنے بھوانے کو سمدھن کانی ہیں اور ہنسکر یہ بھی کہا کہ تم کچھ سمدھن کا دُودھ نہیں پیتے۔ آخر عظمت جائے گی۔ خبر کردے گی۔

غرض محمّد عاقل نے بہت کچھ حیلے کیے۔ ساس نے ایک نہ مانی اور محمّد عاقل کو زبردستی رہنا پڑا۔ چار گھڑی رات گئے جب کھانے پینے سے فراغت ہوئی۔ اصغری نے برتن بھانڈا گری پڑی چیز سب ٹھکانے سے رکھی۔ باہر کے دروازے کی زنجیر بند کی۔ کوٹھریوں کو قفل لگا کر کنجیاں ماں کے حوالے کیں۔ باہر کے دالان اور باورچیخانہ کا چراغ گل کیا ماں اور آپا اور بہنوئی سب کو پان بنا کر دیے اور فراغت سے جا کر سو رہی

ساس نے محمّد عاقل سے کہا۔ کیوں بیٹا! تم میاں بی بی میں یہ کیا آئے دن لڑائی رہا کرتی ہے؟ اکبری کی تو ایسی بُری عادت ہے کہ کبھی بھول کر بھی سُسرال کی بات مجھ سے نہیں کہتی۔ نہیں دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور ہوتا ہے کہ سُسرال کی ذرا ذرا بات ماؤں سے لگایا کرتی ہیں۔ نہیں معلوم اس کو کیا خدا کی سنوار ہے۔ بہتیرا پوچھ پوچھ کر اپنا منہ تھکاؤ حاشا کہ یہ کچھ بھی بتائے۔ لیکن محلّے کی بات کانوں کان پہنچ ہی جاتی ہے۔ اوپری لوگوں سے میں بھی گھر بیٹھی بیٹھی سُنا کرتی ہوں۔

محمّد عاقل نے ساس سے یہ بات سُن کر تھوڑی دیر تامل کیا اور لحاظ

کے سبب جواب مُنہ سے نہیں نکلتا تھا۔ مگر اُس نے خیال کیا مدت کے بعد ایسا اتفاق ہوا ہے اور خود انھوں نے چھیڑ کر پوچھا ہے، ایسے موقع پر سکوت کرنا سراسر خلاف مصلحت ہے۔ بہتر ہے کہ عمر بھر کا زہر اُگل ڈالئے۔ شاید آج کی گفتگو میں آئندہ کے واسطے کوئی بات نکل آئے۔

غرض محمّد عاقل نے شرماتے شرماتے کہا "آپ کی صاحبزادی موجود ہیں۔ اُنھیں سے پوچھئے، ہمارے یہاں اُن کو کیا تکلیف پہنچی۔ خاطر داری و مدارات میں کسی طرح کی کمی ہوئی یا ان سے کوئی لڑا یا کسی نے ان کو بُرا کہا؟ آپ کو معلوم ہے، گھر میں ہم گنتی کے سے آدمی ہیں۔ والدہ صاحبہ سے تو تمام محلّہ واقف ہے۔ ایسی صلح کل ہیں کہ تمام عمر اُن کو کسی سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر کوئی ان کو دس باتیں سخت بھی سُنا جائے تو چُپ ہو جاتی ہیں۔ محمّد کامل دن بھر لکھنے پڑھنے میں لگا رہتا ہے۔ صبح کا نکلا رات کو گھر آتا ہے۔ کھانا کھایا اور سو رہا۔ میں نے اس کو اُن سے کبھی بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔ محمودہ اُن کی صورت سے ڈرتی ہے رہا میں سو موجود بیٹھا ہوں جو شکایت مجھ سے ہو بے تکلف بیان کریں۔

محمّد عاقل کی ساس اب بیٹی کی طرف مخاطب ہو کر بولیں "ہاں بھائی! جو کچھ تمھارے دِل میں ہو تم بھی صاف صاف کہہ گزرو۔ بات کا دل میں رہنا اچھا نہیں ہوتا۔ دل میں رکھنے سے رنج بڑھتا ہے اور فساد زیادہ ہوتا ہے۔

اکبری اگرچہ جھوٹ بولنے پر بہت دلیر تھی لیکن اُس وقت محمّد عاقل

کے روبرو کوئی بات کہتے نہ بن پڑی اور جی ہی جی میں ڈر رہی تھی کہ میں نے بہت سی جھوٹ باتیں ماں سے آکر لگائی ہیں ایسا نہ ہو کہیں اس وقت قلعی کھل جائے یہ سوچ سمجھ اُس نے اس بات ہی کو ٹالدیا اور کہا تو یہ کہا کہ "ہم تو الگ گھر کریں گے"۔

اکبری کی ماں نے داماد سے کہا "کیوں بھائی! تم کو الگ ہو کر رہنے میں کیا عذر ہے؟ خدا کا فضل ہے خود نوکر ہو، خود کماتے ہو کسی بات میں ماں باپ کے محتاج نہیں، اپنا کھانا، اپنا پہننا، پھر دوسرے کا دست نگر ہو کر رہنا کیا فائدہ؟ بیٹا ہو کیسے ہی پیارے ہوں پھر بھی جو آرام الگ رہنے میں ہے، ماں باپ کے گھر کہاں، جو چاہا سو کھایا اور جو چاہا سو پکایا اور ذرا غور کرنے کی بات ہے۔ ماں باپ کے ساتھ رہ کر لاکھ کماؤ پھر بھی نام نہیں۔ لوگ کیا جانیں تم اپنا کھاتے ہو یا ماں باپ کے سر پڑے ہو"۔

محمد عاقل نے کہا۔ آرام کی جو پوچھئے تو ہم کو جواب حاصل ہے الگ ہوئے پیچھے اُس کی قدر معلوم ہوگی۔ دونوں وقت پکی پکائی کھائی اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ الگ ہونے پر، آٹا، دال، گوشت، ترکاری، کنڈا، لکڑی سب کا فکر کرنا پڑے گا۔ اور آپ ہی انصاف فرمائیے کہ خانہ داری میں کتنے بکھیڑے ہیں۔ بے سبب ان سب آفتوں کو اپنے سر لینا میرے نزدیک تو عقل کی بات نہیں۔ رہی یہ بات کہ جو چاہا سو کھایا اور جو چاہا

سو پکایا۔ اب بھی حاصل ہے۔ انھیں سے پوچھئے کبھی کوئی فرمائش کی ہے۔ جس کی تعمیل نہ ہوئی ہو۔ بڑے کنبوں میں البتہ اس طرح کی تکلیف ہوا کرتی ہے، ایک کا دل میٹھے چاول کو چاہتا ہے دوسرے کو بھنی مونگ کی کھچڑی چاہیئے۔ تیسرے کو پلاؤ درکار ہے۔ چوتھے کو قورمہ کھانا منظور ہے۔ پانچویں کو پرہیزی کھانا حکیم نے بتایا ہے۔ دس کے واسطے دس ہنڈیاں، روز کے روز کہاں سے آئیں۔ ہمارے ہاں کنبہ کون بہت بڑا ہے۔ فرمائش کریں تو ہم اور نہ کریں تو ہم۔ اس کو بھی جانے دیجئے اگر ان کو ایسا ہی لحاظ ہے آپ کھانے کا اہتمام کیا کریں۔ خود والدہ کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں انھیں سے پوچھئے کہا ہے یا نہیں! اور نام کو جو آپ نے فرمایا یہ بھی میرے نزدیک عقل کی بات نہیں اپنے آرام سے کام ہے۔ لوگ اپنے دلوں میں جو چاہیں سو سمجھیں اور فرض کیجئے لوگوں نے یہی جانا کہ ہم ماں باپ کے سر پڑے ہیں تو اس میں ہماری کیا بے عزتی ہے؟ ماں باپ ہیں کوئی غیر تو نہیں ہیں۔ ماں باپ نے ہم کو پالا پرورش کیا۔ کھلایا، پہنایا، پڑھایا، لکھایا۔ شادی بیاہ کیا۔ ان سب باتوں میں بے عزتی نہیں ہوئی تو اب کون سا سرخاب کا پر ہم میں لگ گیا ہے کہ اُن کا دست نگر ہونا ہماری بے عزتی کا موجب سمجھا جائے؟

ساس نے جواب دیا۔ اگر سب لوگ تمھاری طرح سمجھا کریں تو

کیوں الگ ہوں۔ دُنیا کا دستور ہے اور ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی چلی جائے گی کہ بیٹے ماں باپوں سے جدا ہو جاتے ہیں اور میں تو جانتی ہوں کہ دنیا میں کوئی بہو ایسی نہ ہوگی جس کا میاں کماؤ ہو اور وہ ساس نندوں میں رہنا پسند کرے۔

محمد عاقل نے کہا یہ آپ کا فرمانا درست ہے اگر بیٹے ماں سے جُدا نہ ہوا کرتے تو شہر میں اتنے گھر کہاں سے آتے لیکن ہر ایک کی حالت جُدا ہے۔ الگ ہو کر رہنا میری حالت کے لیے ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ دس روپیہ کا تو میں نوکر اتنی آمدنی میں الگ گھر کا سنبھالنا نہایت مشکل نظر آتا ہے اور پھر اس نوکری کا بھی اعتبار نہیں خدانخواستہ الگ ہوئے پیچھے اگر نوکری جاتی رہی تو پھر باپ کے گھر آنا مجھ پر نہایت شاق ہوگا۔ اُس وقت البتہ بے عزتی ہوگی کہ میاں الگ تو ہو گئے تھے پھر جھک مار کر باپ کے ٹکڑوں پر آ پڑے۔ لوگوں کی رئیس اس معاملہ میں ٹھیک نہیں۔ اپنے حال پر خود غور کرنا چاہیئے وہ نقل آپ نے سُنی ہے کہ:-

"ایک شخص نے بازار سے نمک اور روئی مول لی۔ نمک تو خچر پر لادا اور روئی گدھے پر۔ چلتے چلتے راہ میں ایک ندی واقع ہوئی۔ ندی پایاب تھی۔ اس شخص نے خچر اور گدھے کو لدا لدایا پانی میں اُتار دیا۔ بیچ ندی میں پہنچ کر خچر

نے غوطہ لگایا۔ تھوڑی دیر بعد سر ابھارا تو گدھے نے پوچھا کیوں یار خچر؟ یہ تم نے کیا کیا؟

خچر نے جواب دیا۔ کہ بھائی تم بڑے خوش قسمت ہو۔ تمہیں روئی لدی ہے اس کا بوجھ تو بہت ہلکا ہوتا ہے۔ مجھ کمبخت پر نمک ہے۔ بوجھ کے مارے میری کمر کٹ کر لہولہان ہوگئی۔ یہ ہمارا مالک ایسا بیرحم ہے کہ اس کو مطلق ہماری تکلیف کا خیال نہیں۔ اناپ شناپ جتنا چاہتا ہے لاد دیتا ہے۔ میں نے سمجھا کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے کمر ندارد ہے۔ آؤ غوطہ لگاؤ نمک پانی میں بھیگ کر کچھ تو گھل جائے گا جس قدر ہلکے ہوئے غنیمت۔ مالک بہت کرے گا چھ سات ڈنڈے اور مارے گا۔ سو یوں بھی راہ بھر ڈنڈے کھاتا آتا ہوں۔ دیکھو اب میرا بوجھ آدھا رہ گیا ہے۔

گدھے بیوقوف نے بھی خچر کی ریس کر کے غوطہ لگایا روئی بھیگ کر اور وزنی ہوگئی۔ سر اُبھارا تو ہلا نہ جاتا تھا۔

خچر ہنسا اور کہا۔ کیوں بھائی گدھے کیا حال ہے؟

گدھے نے کہا۔ یار میں تو مرا جاتا ہوں۔

خچر نے کہا۔ اے بیوقوف تو نے میری ریس کی لیکن اتنا تو سمجھ لینا تھا کہ تیری پیٹھ پر روئی ہے، نمک نہیں ہے۔

اماں جان ایسا نہ ہو لوگوں کی ریس کرنے سے میرا حال اُس گدھے کا سا ہو۔

ساس نے کہا، بھائی! تم تو کسی سے قائل ہونے والے نہیں ہو اور نہ میں تمھاری طرح منطق پڑھی ہوں۔ میں تو سیدھی بات یہ سمجھتی ہوں کہ دس روپیہ مہینہ تم کماتے ہو۔ خدا کا فضل ہے سستا سماں ہے۔ بال نہیں بچے نہیں۔ اللہ رکھے دو میاں بی بی۔ خاصی طرح گوشت روٹی کھاؤ۔ نین سکھ، تن زیب پہنو، آیندہ کی فکر تمھاری طرح کیا کریں تو دُنیا کا کارخانہ بند ہو جائے۔ نوکری تو نوکری زندگی کا اعتبار نہیں جے دن جینا ہے ہنسی خوشی سے تیر کر دینا چاہیئے۔

محمد عاقل نے کہا یہی تو میں سوچتا ہوں۔ خوشی الگ ہو کر رہنے میں ہے یا ساتھ میں؟

ساس نے کہا۔ دلیل اور حجت سے کیا مطلب؛ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ مجھ کو ماں سے الگ ہونا منظور نہیں۔ ایک بات تم سے بی بی نے کہی اُس کے قبول کرنے میں تم کو یہ بلا کا تامل ہے اور پھر کہتے ہو کہ "ہم اُن کی خاطر داری میں کمی نہیں کرتے"۔ آرام و خوشی کیا چیز ہے؛ جس میں بی بی خوش ہو اور جس کو وہ آرام سمجھے۔

اس کے بعد باتوں میں رنجش تراوش کرنے لگی۔ محمد عاقل نے سکوت کیا۔ کیا رات بھی زیادہ گئی تھی۔

محمد عاقل نے ساس سے کہا۔ اب آپ آرام کیجئے۔ میں اس مضمون کو پھر سوچوں گا۔

یہ لوگ تو سو رہے۔ محمد عاقل رات بھر اسی خیال کی اُدھیڑ بن میں رہا اور دل ہی دل میں باتیں کرتا رہا۔ صبح کو اُٹھا تو دیکھا اصغری جھاڑو دے رہی ہے۔ اُس کو دیکھ اصغری نے سلام کیا۔ اور کہا "بھائی صاحب وضو کے واسطے گرم پانی موجود ہے"۔

محمد عاقل نے کہا۔ نہیں، بھائی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔

اصغری نے کہا "بھائی صاحب! چلے نہ جائیے گا۔ آپ کے واسطے چا، بنائی ہے۔ لیکن سادی پیجئے گا یا دودھ کی؟

محمد عاقل نے کہا جیسی مل جائے۔

اصغری بولی، آپ کی آواز کچھ بھاری لگتی ہے شاید نزلے کی تحریک ہے۔ تو دودھ ضرر کرے گا۔

محمد عاقل نے کہا۔ نہیں نزلے کی تحریک تو نہیں ہے۔ رات کو اماں جان کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کر رہا۔ بد خوابی البتہ ہے۔

محمد عاقل نماز پڑھ کر واپس آیا تو ساس کو دیکھا نماز سے فارغ ہو کر پان کھا رہی ہیں۔ سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اصغری نے سینی لا کر سامنے رکھدی۔ چا، دان میں گرما گرم چا، دو پیالیاں، دو چمچے، ایک تشتری میں

CH. 4

قند، محمدؐ عاقل نے چائے پی۔ خوش ذائقہ، خوش رنگ، بو باس درست، پی کر جی باغ باغ ہو گیا۔

اکبری حسب عادت پڑی سوتی تھی۔

محمد عاقل نے کہا۔ امّاں جان ان کو بھی نماز کی تاکید کیجئے۔

ساس نے کہا "بیٹا! یہ اپنی نانی کی بہت چہیتی ہیں" اُن کی محبّت نے ان کا مزاج ان کی عادت سب خراب کر رکھی ہے جب یہ چھوٹی تھیں اور میں کسی بات پر گھڑک بیٹھتی تھی تو کئی کئی دن تک مجھ سے بولنا چھوڑ دیتی تھیں اور یہ تو کیا مجال تھی کہ اکبری کو کوئی ہاتھ لگا دے اکبری بات بات پر ضد کرتی۔ چیزوں کو توڑتی پھوڑتی۔ اُن کے ڈر کے مارے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسی بات پر اکبری کے باپ سے روز بگاڑ رہتا تھا۔

اب محمدؐ عاقل رخصت ہونے لگے۔ چلتے چلتے ساس نے کہا کہ رات کی بات یاد رکھنا اور ضرور اس کا کچھ بند وبست کرنا۔

راہ میں محمد عاقل اسی کو سوچتا آیا۔ گھر میں پہنچا تو ماں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر فکر معلوم ہوتا ہے۔ اُنھوں نے سمجھا آج ضرور سسرال میں لڑا۔ پوچھا۔ محمدؐ عاقل! آخر میرے کہنے پر عمل نہ کیا؟

محمد عاقل نے کہا۔ امّاں سچ کہتا ہوں لڑائی بھڑائی کچھ بھی نہیں ہوئی۔

ماں نے کہا پھر سُست کیوں ہے؟

محمد عاقل نے کہا۔ کچھ بھی نہیں۔ سوتا اُٹھ کر آیا ہوں، اس سبب شاید آپ کو میرا چہرہ اُداس معلوم ہوتا ہوگا۔

ماں نے کہا۔ لڑکے ہوش میں آ۔ کیا تجھ کو سوتا اٹھ کر کبھی تھوڑا ہی دیکھا ہے۔ سچ بتا کیا بات ہے؟

محمد عاقل نے مجبور ہو کر رات کا تمام قصّہ ماں کے روبرو بیان کیا۔

سُننے کے ساتھ ہی ماں کو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا۔ لیکن عورت بڑی دانش مند تھی۔ کہنے لگی کہ ہرچند میری تمنا یہ تھی کہ جبتک میرے دم میں دَم ہے تم سب کو اپنے کلیجے سے لگائے رہوں اور تم دونوں بھائی اتفاق سے رہو۔ لیکن میں دیکھتی ہوں تو سامان الٹے ہی نظر آتے ہیں۔ لے آج میں تجھ سے کہتی ہوں کہ بیاہ کے دوسرے مہینے سے مزاج دار بہو کا ارادہ الگ گھر کرنے کا ہے، تو دس روپے مہینے کے مہینے لاکر مجھ کو دیتا ہے۔ اُن کو نہایت ناگوار ہوتا ہے۔ آئے دن میں تمھاری بی بی کی سہیلیوں سے سنتی رہتی ہوں کہ بھولی ماروں کے محلے میں مکان لیں گی۔ زلفن کو ساتھ لے جائیں گی جب تک یہ سب لڑکیاں اکٹھی بیٹھی رہتی ہیں یہی ذکر یہی مذکور آپس میں رہا کرتا ہے میں نے تمھاری خلیا ساس کے منھ پر ایک مرتبہ یہ بات بھی کہہ دی

تھی کہ "مزاج دار بہو کو اگر ہمارے ساتھ رہنا ناگوار ہے تو اپنا کھانا کپڑا الگ کرلیں۔ اور اسی گھر میں رہیں۔ پھر تمھاری خلیا ساس سے معلوم ہوا کہ مزاج دار بہو کو یہ بھی منظور نہیں۔ آدمی بیاہ خوشی اور آسائش کے واسطے کرتا ہے۔ روز کی لڑائی، آئے دن کا جھگڑا نہایت بُری بات ہے اگر تمھاری بی بی کو یہی منظور ہے اور الگ رہنے سے اُن کو خوشی ہے تو بسم اللہ ہم کو عذر نہیں۔ جہاں رہو۔ خوش رہو۔ آباد رہو۔ خدا نے ایک مامتا اولاد کی ہمارے پیچھے لگا دی ہے۔ سو کبھی تم ادھر کو آنکلے ایک نظر دیکھ لیا۔ صبر آگیا۔ گھر کے کام دھندے سے کبھی چھٹکارا ملا۔ میں آپ چلی گئی تم کو دیکھ آئی۔

یہ کہنا تھا کہ محمد عاقل کا جی بھر آیا اور بے اختیار رونا شروع کیا اور یہ سمجھا کہ آج ماں سے جدائی ہوتی ہے۔ ماں بھی روئی۔

تھوڑی دیر بعد محمد عاقل نے کہا۔ میں تو الگ نہیں رہوں گا بی بی رہے یا جائے۔

ماں نے کہا۔ ارے بیٹا! یہ بھی کہیں ہوتی ہے۔ شریفوں میں کہیں بیبیاں بھی چھوٹتی ہیں؟ تم کو اپنی عمر انھیں کے ساتھ کاٹنی ہے ہمارا کیا ہے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں"۔ آج مرے کل دوسرا دن" میری صلاح مانو، جو وہ کہیں سو کرو۔ ہم نے جس دن تمھارا بیاہ کیا اُسی دن سے تم کو الگ سمجھا۔ نہ تم انوکھے بیٹے، نہ میں انوکھی ماں۔ کون

بیٹا اپنی ماں کے ساتھ رہا ہے؟

محمد عاقل نے اپنے دوستوں سے بھی صلاح پوچھی۔

سب نے یہی کہا کہ رفع فساد بہتر ہے اور ساتھ رہنے پر کیا منحصر ہے۔ ماں سے الگ رہو اور اُن کی خدمت اور اطاعت کرو۔

جب سب لوگوں نے یہی صلاح دی محمد عاقل نے بھی کہا کہ "خیر الگ رہ کر بھی دیکھ لو۔ اگر یہ عورت سنبھل جائے اور گھر کو گھر سمجھے، بدمزاجی نافرمانی، بدزبانی چھوڑ دے تو الگ رہنا عیب نہیں۔ گناہ نہیں۔ یہی نا کہ خانہ داری کی فکر کرنا پڑے گی اور تنگی سے گزرے گی۔ سو دُنیا میں رہ کر فکر سے کسی حالت میں نجات نہیں۔ اب کچھ فکر نہیں تو یہ ہر روز کا فساد بجائے خود عذاب ہے اور تنگیٔ رزق کا اندیشہ بھی بیجا ہے۔ جتنا رزق مقدر میں ہے بہرحال پہنچے گا"۔ آدمی کی سعی و تدبیر کو اس میں کیا دخل ہے"۔ یہ سوچ کر محمد عاقل نے الگ ہو جانے کا ارادہ مصمم کر لیا۔

اتفاق سے اُسی کے مکان سے متصل ایک مکان بھی خالی تھا۔ ایک روپیہ ماہواری کرایہ پر اُس کو ٹھہرالیا۔ بلکہ سرقفلی دیکر سرخط بھی لکھدیا۔ کنجی بھی لے لی۔ اور سُسرال کہلا بھیجا کہ مکان قرار پا گیا ہے۔ اب آؤ تو نئے مکان میں اُٹھ چلیں اور اپنی ماں سے بھی کہہ دیا کہ یہی تارکش والا مکان لے لیا ہے۔

ماں نے جتنا اسباب مزاج دار بہو کا تھا۔ کپڑوں کا صندوق، برتن

فرش مسہری، پلنگ سب ایک علیٰحدہ کوٹھری میں رکھوایا۔ شام کو مزاج دار بہو بھی آپہنچی۔ صبح آٹھ بجے ماں نے کوٹھری کھول محمد عاقل سے کہا۔ لو بھائی، اپنی چیزیں دونوں میاں بی بی خوب دیکھ بھال لو۔

محمد عاقل نے کہا۔ اماں تم کیا کہتی ہو؟ کیا کوئی غیر جگہ تھی۔

ماں نے کہا۔ بیٹا! یہ بات نہیں۔ ایسا نہ ہو اٹھانے بٹھانے میں کوئی چیز اِدھر اُدھر ہو جائے اور ماما سے کہا کہ عظمت تم اور ہمسائی یہ سب اسباب تارکش والے گھر میں پہنچا دو۔

اکبری کی سہیلیاں۔ چمپا۔ رحمت۔ زلفن۔ سلمیٰ۔ آپہنچیں اور بات کی بات میں سارا اسباب اُٹھا کر اِدھر سے اُدھر لے گئیں۔

مزاج دار بہو ہنسی خوشی نئے گھر میں آکر بسیں۔ تین دن تک دونوں وقت محمد عاقل کی ماں نے کھانا بھیجا۔ چوتھے دن محمد عاقل نے بی بی سے کہا۔ لو صاحب! اب کچھ کھانے کا بندوبست شروع ہو۔

مزاج دار نے کہا۔ سب اسباب ابھی بلے ٹھکانے پڑا ہے، یہ رکھ دیا جائے تو فراغت سے ہنڈیا چولھے کو دیکھوں۔ ابھی تو مجھ کو فرصت نہیں۔

غرض سات دن تک تنور پر روٹی پکتی رہی۔ رات کو کباب اور دن کو نہاری بازار سے منگواتے اور دونوں میاں بی بی کھا لیتے۔

آخر محمد عاقل نے روز کہہ کہہ کر مزاج دار سے کھانا پکوایا۔ مزاج دار

نے کبھی کھانا پکایا نہ تھا۔ روٹی پکائی تو عجیب صورت کی۔ نہ گول نہ چوکھونٹی۔ ایک کان اِدھر نکلا ہوا اور چار کان اُدھر۔ کنارے موٹے۔ بیچ میں ٹکیا۔ کہیں جلی۔ کہیں کچی۔ دھوئیں میں کالی اور دال جو پکائی تو پانی الگ دال الگ۔ غرض مزاج دار ایسا لذیذ اور لطیف کھانا پکاتی تھی کہ جس کو دیکھ کر بھوک بھاگ جائے۔ سالن پکاتی بد رنگ بدمزہ نمک ڈالا تو زہر اور کبھی پھیکا پانی۔

دو ایک دن تو محمد عاقل نے صبر کیا۔ آخر کار اُس نے اپنی ماں کے گھر کھانا شروع کر دیا۔

مزاج دار نے بھی اپنے آرام کا ٹھکانا کر لیا۔ دونوں وقت بازار سے کچوریاں اور بالائی، کندا کھویا، ربڑی، کباب، منگوا کر کھا لیا کرتی کھانا جو پکتا زلفن وغیرہ کھا کھا کر موٹی ہوئیں۔ ان بلّیوں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔

لیکن دس روپے مہینے میں چکھوتیاں کیونکر ہو سکتی تھیں۔ چپکے چپکے اسباب بکنے لگا مگر محمد عاقل کو اصلا اس کی خبر نہ تھی۔

CH. 5

ایک روز محمد عاقل تو نوکری پر گیا تھا۔ مزاج دار دوپہر کو سو گئی چنپا جو آئی۔ اس نے دیکھا، بہو بیخبر سو رہی ہیں۔ اس نے اپنے بھائی میرن کو خبر کر دی وہ بڑا شاطر بدمعاش تھا۔ مزاج دار تو سوتی کی سوتی رہیں۔ میرن آکر دن دہاڑے تمام برتن چرا کر لے گیا

مزاج دار اُٹھ کر جو دیکھیں تو گھر میں جھاڑو دی ہوئی ہے۔ کوٹھری میں قفل لگا ہوا تھا۔ اُس کا اسباب تو بچا۔ باقی جو چیز اوپر تھی ایک ایک کر کے لے گیا۔ اب پانی پینے تک کو کٹورا نہ رہا۔ محمد عاقل نوکری پر سے آیا تو سُن کر بہت مغموم ہوا لیکن "اب پچتائے کیا ہوئے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت"۔ بی بی سے خوب لڑا اور خوب اپنا سر پیٹا۔ آخر رو دھو کر بیٹھ رہا۔ قرض وام کر کے ہلکی ہلکی دو پتیلیاں مول لایا۔ چھوٹے چھوٹے برتن ماں سے مانگ لئے۔ لگن، توا، رکابی۔ ساس نے بھیج دی۔ غرض کسی طرح کام نکلا۔

اتفاق سے اُن دنوں ایک کٹنی اس شہر میں وارد تھی اور تمام شہر میں اُس کا غل تھا۔ محمد عاقل نے بھی بی بی سے کہہ دیا تھا کہ اجنبی عورت کو گھر میں مت آنے دینا۔ ان دنوں ایک کٹنی آئی ہوئی ہے، کئی گھروں کو لوٹ چکی ہے"۔

لیکن مزاج دار شدت سے بیوقوف تھی۔ اس کی عادت تھی، ہر ایک سے جلد مل جانا۔

ایک دن وہی کٹنی حجّن کا بھیس بنا اُس کی گلی میں آئی۔ یہ حجّن مکّارہ، بیوقوف عورتوں کے پھسلانے کے واسطے طرح طرح کے تبرکات اور صدہا قسم کی چیزیں اپنے پاس رکھا کرتی تھی۔ تسبیح۔ خاک شفا، زمزمیاں۔ مدینہ منورہ کی کھجوریں۔ کوہ طور کا سرمہ۔ خانہ کعبہ کے

غلاف کا ٹکڑا۔ عقیق البحر اور مونگے کے دانے۔ نادعلی پنجسورے اور بہت سی دوائیں۔ گلی میں آکر جو اُس نے اپنی دُکان کھولی بہت سی لڑکیاں جمع ہو گئیں۔

مزاج دار نے بھی سُنا۔ زلفن سے کہا۔ گلی سے جب اُٹھنے لگے حجّن کو یہاں لوالانا۔ ہم بھی تبرکات کی زیارت کریں گے۔

زلفن جا کھڑی ہوئی اور حجّن کو لوالائی۔

مزاج دار نے بہت خاطر داری سے حجّن کو پاس بٹھایا۔ اور سب چیزیں دیکھیں۔ سُرمہ اور نادِعلی دو چیزیں مزاج دار نے پسند کیں۔ حجّن نے مزاج دار کو باتوں باتوں میں تاڑ لیا کہ یہ عورت ڈھب پر جلد چڑھ جائے گی۔ ایک پیسہ کا بہت سا سرمہ تول دیا اور دو آنے کو نادعلی والے کی۔ اور فیروزے کی ایک انگوٹھی مفت نذر کی۔ مزاج دار ریجھ گئیں۔ اس کے بعد حجّن نے سمندر کا حال۔ عرب کی کیفیت اور دل سے جوڑ کر دو چار باتیں ایسی کیں کہ مزاج دار نے کمال شوق سے سُنا۔ اور اُس کی طرف ایک خاص التفات کیا۔

حجّن نے پوچھا۔ کیوں بی بی؟ تمھارے کوئی بال بچّہ نہیں؟

مزاج دار نے آہ کھینچ کر کہا۔ ہماری ایسی تقدیر کہاں تھی۔

حجّن نے پوچھا۔ بیاہ کو کتنے دن ہوئے؟

مزاج دار نے کہا۔ ابھی برس روز نہیں ہوا۔

مزاج دار کی بے عقلی کا اب تو حجّن کو یقین ہوا اور دل میں کہنے لگی کہ اس نے تو اولاد کا نام سُن کر ایسی آہ کھینچی جیسے کوئی برسوں کا امید وار ہو۔

حجّن نے کہا۔ نا اُمیدی کی بات نہیں۔ تمھارے اتنے بچے ہوں گے کہ تم سنبھال نہ سکو گی۔ البتہ بالفعل اکیلے گھر میں جی گھبراتا ہو گا۔ میاں کا کیا حال ہے؟

مزاج دار نے کہا۔ ہمیشہ مجھ سے ناخوش رہا کرتے ہیں۔

غرض پہلی ہی ملاقات میں مزاج دار حجّن سے ایسی بے تکلّفی کی کہ اپنا جزو وکل اُس سے کہہ دیا اور حجّن نے باتوں ہی باتوں میں تمام بھید معلوم کر لیا۔ ایک پہر کامل حجّن بیٹھی رہی۔ رخصت ہونے لگی تو مزاج دار نے بہت منّت کی۔ اچھّی بی! اب کب تک آؤ گی؟

حجّن نے کہا۔ میری بھانجی موم گروں کے چھتّے میں رہتی ہے اور بہت بیمار ہے، اُسی کے علاج کے واسطے میں آگرہ سے آئی ہوں۔ دوا معالجہ سے فرصت کم ہوتی ہے۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے تیسرے دن تم کو دیکھ جایا کروں گی۔

اگلے دن حجّن پھر آموجود ہوئی اور ایک ریشمی ازار بند لیتی آئی۔ مزاج دار دُور سے حجّن کو آتے دیکھ خوش ہو گئی اور پوچھا یہ ازار بند کیسا ہے؟

حجّن نے کہا بکاؤ ہے۔

مزاج دار نے پوچھا کتنے کا ہے؟

حجّن نے کہا۔ چار آنے کا۔ محلّہ میں ایک بیگم رہتی ہیں۔ اب غریب ہو گئی ہیں۔ اسباب بیچ بیچ کر گزر کرتی ہیں۔ میں اُن کی اکثر چیزیں بیچ لا دیا کرتی ہوں۔

مزاج دار اتنا سستا ازار بند دیکھ کر لوٹ ہو گئی۔ فوراً پیسے نکال حجّن کے ہاتھ میں دیے۔ اور بہت گڑگڑا کر حجّن سے کہا۔ اچھّی بی! جو چیز بکاؤ ہوا کرے پہلے مجھ کو دکھا دیا کرو۔

حجّن نے کہا۔ بہت اچھّا۔ پہلے تم اور پیچھے اور۔

اس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوا کیں۔ چلتے ہوئے حجّن نے ایک بٹوا نکالا۔ اُس میں کپڑے اور کاغذ کی کئی تہوں میں تھوڑی لونگیں تھیں ان میں سے دو لونگیں حجّن نے مزاج دار کو دیں اور کہا کہ دنیا میں محبّت اسی واسطے ہوا کرتی ہے کہ ایک سے دوسرے کو فائدہ ہو۔ یہ دو لونگیں میں تم کو دیتی ہوں۔ ایک تو تم اپنی چوٹی میں باندھ لو، دوسری بہتر تھا کہ تمھارے میاں کی پگڑی میں رہتی پر تمھارے میاں شاید شبہ کریں خیر تکیے میں سی دو اور ان کا اثر آج ہی سے دیکھ لینا۔ لیکن اتنی احتیاط کرنا کہ پاک صاف جگہ میں رہیں اور اپنے قد کے برابر ایک کلاوہ مجھ کو ناپ دو۔ میں تم کو ایک گنڈا بنوا دوں گی۔

جب حج کو گئی تھی تو اُسی جہاز میں بھوپال کی ایک بیگم بھی سوار تھیں

شاید تم نے اُن کا نام بھی سُنا ہو۔ بلقیس جہانی بیگم سب کچھ خدا نے ان کو دے رکھا تھا۔ دولت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نوکر، چاکر، لونڈی، غلام پالکی، نالکی۔ سبھی کچھ تھا۔ ایک تو اولاد کی طرف سے مغموم رہا کرتی تھیں کوئی بچہ نہ تھا۔ دوسرے نواب صاحب کو اُن کی طرف مطلق التفات نہ تھا اور شاید اولاد نہ ہونے کے سبب محبّت نہ کرتے ہوں ورنہ بیگم صورت شکل میں چندے آفتاب چندے ماہتاب اور اس حُسن و دولت پر مزاج ایسا سادہ کہ ہم جیسے ناچیزوں کو برابر بٹھانا اور بات پوچھنا۔

بیگم کو فقیروں کا پرلے سرے کا اعتقاد تھا۔ ایک دفعہ سنا کہ میں کوس پر کوئی کامل وارد ہے۔ اندھیری رات میں اپنے گھر سے پیادہ پا اُن کے پاس گئیں۔ اور پہر بھر تک ہاتھ باندھے کھڑی رہیں۔ فقیروں کے نام کے قربان جائیے۔ ایک مرتبہ جو شاہ صاحب نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا فرمایا۔ جا مائی اسی رات کو حکم ملے گا۔

بیگم کو رات کو بشارت ہوئی کہ حج کو جا اور مُراد کا موتی سمندر سے نکال لا۔ صبح اُٹھ کر حج کی تیاریاں ہونے لگیں۔ پانسو مسکین بیگم نے آپ کرایہ دیکر جہاز پر سوار کرائے۔ اُن میں سے ایک میں بھی تھی۔ ہر وقت کا پاس رہتا۔ بیگم صاحب (آپس دونوں جہان میں سرخرو) مجھ پر بہت مہربانی کرنے لگیں اور سہیلی کہا کرتی تھیں۔ دس دن تک برابر جہاز پانی میں چلا کیا۔ گیارھویں دن بیچ سمندر میں ایک پہاڑ نظر آیا۔

ناخدا نے کہا۔ کوہ حبشہ یہی ہے اور ایک بڑا کامل فقیر اس پر رہتا ہے جو گیا بامراد آیا۔

بیگم صاحب نے ناخدا سے کہا۔ کسی طرح مجھ کو اس پہاڑ پر پہنچاؤ۔

ناخدا نے کہا حضور جہاز تو پہاڑ تک پہنچ نہیں سکتا البتہ اگر آپ ارشاد کریں تو جہاز کو لنگر کر دیں اور آپ کو ایک کشتی پر بٹھا کر لے چلیں

بیگم نے کہا۔ خیر یہی سہی۔

پانچ عورتیں بیگم کے ساتھ کوہ حبشہ پر گئی تھیں۔ ایک میں اور چار اور پہاڑ پر پہنچے تو عجب طرح کی خوشبو مہک رہی تھی۔ چلتے چلتے شاہ صاحب تک پہنچے۔ ہو کا مقام تھا۔ نہ آدمی نہ آدم زاد۔ تن تنہا شاہ صاحب ایک غار میں رہتے تھے کیسی نورانی شکل جیسے فرشتہ۔ ہم سب کو دیکھ کر دُعا دی بیگم کو بارہ لونگیں دیں اور کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔

مجھ سے کہا۔ چلی جا آگرہ اور دلی میں لوگوں کے کام بنایا کر۔

بیٹی ان بارہ لونگوں میں کی دو لونگیں یہ ہیں۔

حج کر کے جو لوٹے تو نواب یا تو بیگم کی بات نہ پوچھتے تھے یا یہ نوبت ہوئی کہ ایک مہینے آگے سے بمبئی میں آکر بیگم کے لینے کو پڑے تھے۔ جوں ہی بیگم نے جہاز سے پاؤں اُتارا۔ نواب نے اپنا سر بیگم کے قدموں پر رکھ دیا۔ اور رُو رُو کر خطا معاف کرائی۔

چھ برس میں بھوپال میں حج سے آکر ٹھہری۔ فقیر کی دُعا کی برکت

سے لگاتار اوپر تلے اللہ رکھے چار بیٹے بیگم کے میرے رہنے تک ہو چکے تھے۔ پھر مجھ کو اپنا دیس یاد آیا۔ بیگم سے اجازت مانگی۔ بہت سا رو کا میں نے کہا شاہ صاحب نے مجھ کو دلّی آگرے کی خدمت سپرد کی ہے۔ مجھ کو وہاں جانا ضرور ہے۔

یہ سُن کر بیگم نے چار ناچار مجھ کو رخصت کیا۔

دُو لونگ اور اُس کے ساتھ دُو ورق کی حکایت دلچسپ، مزاجدار دل و جان سے معتقد ہوگئی۔

حجّن تو لونگیں دے کر رخصت ہوئی۔ مزاج دار بہو نے غسل کر کپڑے بدل، خوشبو لگا، ایک لونگ تو بسم اللہ کر کے اپنی چوٹی میں باندھی اور میاں کے پلنگ کی چادر اور تکیوں کے غلاف بدل ایک لونگ کسی تکیے میں رکھ دی۔

محمدؐ عاقل جو گھر میں آیا، بی بی کو دیکھا، صاف ستھری پلنگ کی چادر بے کہے بدلی ہوئی۔ خوش ہوا اور التفات کے ساتھ باتیں کرنے لگا

مزاج دار نے کہا، دیکھو ہم نے آج ایک چیز مول لی ہے۔

یہ کہہ کر ازار بند دکھایا۔

محمدؐ عاقل نے کہا۔ کتنے کو لیا ہے!

مزاج دار نے کہا۔ تم آنکو کتنے کا ہے؟

وہ ازار بند خاص لاہور کا بنا ہوا نہایت عمدہ تھا۔ چوڑا چکلا کلا بتو

کی گچھے دار لڑیں۔

محمدؐ عاقل نے کہا۔ دُو روپے سے کسی طرح کم کا نہیں ہے۔

مزاج دار نے کہا۔ چار آنے کو لیا ہے۔

محمدؐ عاقل نے کہا۔ سچ کہو!

مزاج دار نے کہا۔ تمھارے سر کی قسم چار ہی آنے کو لیا ہے۔

محمدؐ عاقل نے کہا۔ بہت سستا ہے۔ کہاں سے مل گیا؟

مزاج دار نے کہا۔ ایک حجّن بڑی نیک بخت ہے۔ بہت دنوں سے گلی میں آیا کرتی ہے۔ کسی بیگم کا ہے وہ بیچنے کو لائی تھی۔

یہ کہہ کر سرمہ نادعلی۔ فیروزے کی انگوٹھی مزاج دار نے دکھائی۔

طمع ایسی بُری چیز ہے کہ بڑا سیانا آدمی بھی اس سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ جنگلی جانور مینا طوطا لال بلبل آدمی کی شکل سے بھاگتے ہیں لیکن دانے کی طمع سے جال میں پھنس جاتے ہیں اور زندگی بھر قفس میں قید رہتے ہیں اسی طرح محمدؐ عاقل اپنا فائدہ دیکھ کر خوش ہوا اور جب مزاج دار نے کہا کہ وہ حجّن، بیگم کا تمام اسباب جو بکنے کو نکلے گا میرے پاس لانے کا وعدہ کر گئی ہے۔

محمدؐ عاقل نے کہا۔ ضرور دیکھنا چاہیئے۔ لیکن ایسا نہ ہو چوری کا مال ہو پیچھے کو خرابی پڑے اور ہاں حجّن کوئی ٹھگنی نہ ہو۔

مزاج دار نے کہا۔ خدا خدا کرو۔ وہ حجّن ایسی نہیں ہے۔

غرض بات گئی گزری ہوئی۔ محمد عاقل سے جو آج ایسی باتیں ہوئیں

لونگوں پر مزاج دار کا اعتقاد جم گیا۔ اگلے دن زلفن کو بھیج حجن کو بلوایا اور آج مزاج دار بیٹی بنیں اور حجن کو ماں بنایا۔ رات کے وقت محمد عاقل سے پھر حجن کا ذکر آیا۔ تو پھر محمد عاقل نے کہا کہ "دیکھو ہوشیار رہنا اس بھیس میں کٹنیاں اور ٹھگنیاں بہت ہوا کرتی ہیں" لیکن طمع نے خود محمد عاقل کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنی موٹی بات وہ نہ سمجھا کہ دو روپے کا مال چار آنے کو کوئی بے وجہ بھی دیتا ہے۔ محمد عاقل کو مناسب تھا کہ قطعاً اس حجن کے آنے کی ممانعت کرتا اور سب چیزیں اس کی پھروا دیتا اور مزاجدار کو اتنی عقل کہاں تھی کہ اس تہ کو سمجھتی۔ کئی دن کے بعد مزاج دار نے حجن سے پوچھا "کیوں بی! آجکل بیگم کی کوئی چیز نہیں لاتیں"؟ حجن نے جان لیا کہ اس کو اچھی چاٹ لگ گئی ہے۔ کہا "تمہارے ڈھب کی کوئی چیز نکلے تو لاؤں"۔

CH. 6

دو چار دن کے بعد چھوٹے موتیوں کی ایک جوڑی لائی اور کہا۔ "لو بی، خود بیگم کی نتھ کے موتی ہیں۔ نہیں معلوم ہزار کی جوڑی ہے یا پانسو کی بنا مل جوہری کی دکان پر میں نے دکھائی تھی۔ لٹو ہو گیا۔ دو سو روپے میرے پلے باندھے دیتا تھا۔ میں بیگم سے پچاس روپیہ پر لائی ہوں، تم لے لو۔ پھر ایسا مال نہ ملے گا۔

مزاج دار نے کہا۔ پچاس روپے نقد تو میرے پاس نہیں ہیں۔

حجن نے کہا۔ کیا ہوا بیٹی پہنچیاں بیچ کر لے لو۔ نہیں تم جانو۔ آج یہ موتی بک جائیں گے۔

حجن نے اس ڈھب سے کہا کہ مزاج دار فوراً زیور کا صندوقچہ اٹھا لائی اور حجن کو پہنچیاں نکال کر حوالہ کر دیں۔

حجن نے مزاج دار کا زیور دیکھ کر کہا "اے ہے، کیسی بد احتیاطی سے زیور مولی گاجر کی طرح ڈال رکھا ہے۔ بیٹی! دھگدگی میں ڈورا ڈلواؤ، بالی، پتے، نگر، مرکیاں، بازوبند۔ میلے چکٹ ہو گئے ہیں۔ میل سونے کو کھائے جاتا ہے ان کو اجلواؤ"۔

مزاج دار نے کہا۔ کون ڈورا ڈلوا لائے اور کون اجلا کر لائے۔ ان سے کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں "مجھے فرصت نہیں"۔

حجن نے کہا "اوئی بیٹی! یہ کون بڑا کام ہے۔ لو موتی رہنے دو، میں ابھی ڈورا ڈلوا دوں اور جو زیور میلا ہے مجھے نکال لا دو۔ میں ابھی اجلوا دوں۔

مزاج دار نے سب زیور حوالے کیا۔

حجن نے کہا زلفن کو بھی ساتھ کر دو، وہ سنار کے پاس بیٹھی رہے گی میں پٹوے سے ڈلواؤں گی۔

مزاج نے کہا۔ اچھا۔

یہ کہہ کر زلفن کو آواز دی۔ آئی تو حجن نے کہا "لڑکی! ذرا میرے ساتھ چل۔ سنار کی دکان پر بیٹھی رہیو"۔

حجن نے زیور لیا۔ زلفن ساتھ ہولی۔ گلی سے باہر نکل حجن نے رومال کھولا اور زلفن سے کہا لاؤ اجلوانے کا الگ کر لیں اور ڈورا